© rasailojaraid.com

ترجمان القرآن

مولانا حمید الدین فراہیؒ کی فکری اور اصلاحی تحریک

اشتیاق احمد ظلّی

۸-۱۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو مدرسۃ الاصلاح میں مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات، افکار اور خدمات پر ایک سہ روزہ سمینار کا انعقاد ہوا۔ اس موقع پر راقم الحروف نے خطبۂ استقبالیہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، جس میں مولانا فراہیؒ کے علمی اور اصلاحی کارناموں کا ایک مختصر تجزیہ پیش کیا گیا تھا۔ عمومی دلچسپی کے پیش نظر اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

محترم مہمان خصوصی، جناب صدر، مہمانانِ گرامی اور حاضرین کرام،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امام فراہی سیمینار کے موقع پر مدرسۃ الاصلاح میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہوئے دل تشکر و مسرت کے دوگونہ احساس سے لبریز ہے۔ تشکر اس لیے کہ آپ نے اپنے نہایت قیمتی اور مصروف اوقات کو فارغ کر کے یہاں آنے کی زحمت گوارا فرمائی تاکہ آپ کتاب اللہ کے ایک خادم کو اپنی عقیدت و محبت کا نذرانہ پیش کر سکیں جس نے اپنی پوری زندگی اور اپنی تمام تر صلاحیتیں کتاب عزیز کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھیں۔ بلاشبہ یہ خود آپ کی قرآن مجید اور علوم قرآن سے گہری وابستگی کی دلیل ہے۔ مسرت اس لیے کہ آپ کی تشریف آوری نے آج اس قدیم دینی درسگاہ کو جسے فکر فراہی کا امین ہونے کا شرف حاصل ہے، حیاتِ نو اور نشاطِ تازہ سے ہمکنار کیا ہے آپ کے جلو میں آج اس ویرانے میں بہاروں کے قافلے اترے ہیں اور اس کا ذرہ ذرہ بہرہ مندی کے احساس سے سرشار ہے۔ آج کا دن مدرسۃ الاصلاح کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جانے والا دن ہے جب اس کے ابنائے قدیم کی دعوت پر نہ صرف ملک کے گوشے گوشے سے بلکہ بیرون ملک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اہل علم و دانش کھنچ کر یہاں جمع ہوئے ہیں تاکہ اس یگانۂ روزگار شخصیت کے افکار و تحقیقات پر اظہار خیال کریں جو اس درس گاہ کا فکری مؤسس ہے اور جس کے بتائے اور سکھائے ہوئے منہج اور اصولوں کے مطابق کتاب اللہ کی تعلیم و تعلم اس کا نشانِ امتیاز رہا ہے۔ آپ کی اس عنایت فرمائی اور کرم گستری کے لیے ہم سراپا سپاس ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یہ تقریب سعید مدرسۃ الاصلاح اور فکر فراہی دونوں ہی کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت اختیار کر جائے اور اس سے ایک ایسی تحریک کی داغ بیل پڑ جائے جس کے ذریعہ ان کاموں کی تکمیل کے لیے ضروری ساز و سامان فراہم ہونے کی سبیل پیدا ہو جائے جو ابھی نامکمل ہیں اور ان خوابوں کے پورے ہونے کی صورت نکل آئے جو ہنوز تشنہ تعبیر ہیں۔ آمین۔

مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۶۳ء-۱۹۳۰ء) جن کا مولد و منشا موضع پھریہا یہاں سے صرف سات میل مشرق میں واقع ہے، اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت تھے۔ مبدا فیض سے انھیں دل و دماغ کی غیر معمولی صلاحیتیں عطا ہوئی تھیں۔ ان کی ذاتِ والا صفات میں اتنے متنوع اور گوناگوں اوصاف و کمالات جمع ہو گئے تھے جن کا کسی فرد واحد کے اندر پایا جانا نوادرات میں شمار کیا جائے گا۔ قدیم صالح اور جدید نافع کے باہمی امتزاج کا ایسا دلکش، متوازن اور مثالی نمونہ جس کی نظیر اُس زمانے میں تو کجا اِس عہد میں بھی مشکل۔ ان کی سادگی و قناعت پسندی، اخلاص و للّٰہیت، زہد و تقوی، عبادات میں انہماک اور نام و نمود سے دوری و بیزاری کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ان کے علمی اکتسابات اور تحقیقی فتوحات کو دیکھا جائے تو یقین نہیں آتا کہ اتنے مختلف النوع موضوعات پر اتنی وسعت معلومات، مہارت فن، دقت نظر اور مجتہدانہ شان سے کسی فرد واحد نے لکھا ہے۔ فلسفہ کے پیچیدہ مباحث ہوں یا ادب عالیہ کی تخیل آفرینی، نحو کے خشک مسائل ہوں یا فن بلاغت کی نکتہ سنجی، توریت و انجیل کی تحریفات زیر بحث ہوں یا عبرانی زبان و بیان کی باریکیاں حرف حرف نپا تلا، کوثر و تسنیم میں دھلا، لب و لہجہ متین و شائستہ اور فکر و نظر کی رفعت و عظمت کا آئینہ دار، اطناب و طول بیان سے یکسر خالی، تعریف و تنقید دونوں متوازن اور افراط و تفریط سے پاک، اسلوب بیان سادہ و موثر اور ایسا دل نشین کہ بات دل میں اترتی چلی جائے، ہر بحث اپنے اندر ایک نیا جہان معنی سمیٹے ہوئے جس سے نہ تو جی بھرے نہ آنکھیں بس ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگرچہ مولانا فراہیؒ کے تبحر علمی اور جلالت شان کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا اور علم وحکمت کے ایسے ایسے موتی چن کے لائے گویا یہی موضوع ان کا موضوع اختصاص تھا اور اسی کی تحصیل ان کا حاصل زندگی۔ لیکن حق یہ ہے کہ ان کا اصل میدان کار، جہاں ان کی ژرف نگاہی، جولانی فکر اور مجتہدانہ شان اپنے منتہائے کمال پر نظر آتی ہے، قرآنیات کا موضوع ہے۔ انہیں کتاب اللہ سے محبت تھی۔ یہی کتاب عزیز ان کی سوچ کا مرکز اور ساری دلچسپیوں اور فکری کاوشوں کی محور تھی۔ کتاب الٰہی پر غور وخوض اور تدبر وتفکر کے لیے انہوں نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی تھی اور اسی کو اپنا مقصد حیات بنالیا تھا۔ انہوں نے جن علوم وفنون میں مہارت حاصل کی اور جن موضوعات پر بھی لکھا سب کا مقصد وحید صرف اور صرف یہ تھا کہ اس سے قرآن فہمی کی راہ آسان ہو اور اس کتاب عزیز کے معارف وحکم تک رسائی کا راستہ ہموار ہو۔ سب کچھ اسی مقصد اصلی تک رسائی کو ممکن اور آسان بنانے کے لیے۔ بجائے خود وہ مقصود کبھی بھی نہیں تھے بلکہ ایک اعلیٰ وارفع مقصد تک پہونچنے کا وسیلہ وذریعہ۔ ان کی ساری زندگی کی جملہ تگ ودو اور کوشش وکاوش کا مطمح نظر اس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اور یہ سب کچھ جس لگن، بے نفسی اور بے لوثی سے کیا وہ صرف ایک سچے خادم قرآن ہی کا مقدر ہو سکتا تھا۔

مولانا فراہی کی شخصیت کی اٹھان کا اگر جائزہ لیا جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ وہ ابتدا ہی سے عام روش سے الگ اور ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔ پھر انتظام قدرت کچھ ایسا تھا کہ ان کی خداداد صلاحیتوں کو ابھرنے اور نکھرنے کے مواقع ملتے چلے گئے۔ دس سال کی عمر میں کتاب اللہ کے حافظ ہو چکے تھے۔ ۱۱ سال کی عمر میں فارسی زبان وادب کے ذوق آشنا ہوئے اور جب عمر عزیز کے بیس سال پورے ہوئے تو عربی زبان وادب اور اسلامی علوم میں دستگاہ کامل حاصل کر چکے تھے۔ ان علوم میں انہوں نے جن اساطین سے اکتساب فیض کیا ان میں سرفہرست ان کے بھائی علامہ شبلی کا نام نامی ہے جن کی تعلیم وتربیت نے ان کی فطری صلاحیتوں کو بیدار کیا اور انہیں علوم عالیہ سے روشناس کیا۔ اس سلسلۃ الذہب کے دوسرے قابل ذکر نام مولانا فاروق چریا کوٹی، مولانا عبدالحئی فرنگی محلی اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری جیسے یگانہ روزگار علماء ومحققین کے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن قسامِ ازل نے ان کے لیے جو خدمت مقدر کی تھی اس کے لیے اتنی تیاری کافی نہ تھی۔ انہیں عہدِ حاضر میں ترجمانیِ قرآن کے جس عظیم الشان منصب پر فائز ہونا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ نہ صرف جدید علوم و فلسفہ اور معاصر علمی رجحانات سے بھی پوری طرح واقفیت بہم پہونچائی جائے بلکہ ان میں کامل دستگاہ حاصل کی جائے۔ گذشتہ چند صدیوں میں مغربی اقوام نے علم و تحقیق کے میدان میں غیر معمولی اکتسابات کیے تھے۔ ان سے واقفیت کے بغیر نہ تو زمانہ کی نبض پہچانا ممکن تھا اور نہ اہلِ زمانہ سے ان کے اپنے اسلوب میں اور ان کی اپنی ذہنی و عقلی سطح پر گفتگو کا کوئی امکان ہوسکتا تھا۔ گذشتہ چند صدیوں میں بالعموم اور انیسویں صدی میں بالخصوص اپنے استعماری مفادات و مصالح کے پیشِ نظر اسلامیات کے مختلف موضوعات میں مغربی اقوام کی دلچسپی میں غیر معمولی اضافہ ہوا تھا۔ انیسویں صدی کے اواخر تک ان علوم سے متعلق مغربی تحقیقات میں خاصی تیزی آچکی تھی۔ یہ تحقیقات بیشتر معاندانہ تھیں اور ان کا بنیادی مقصد مسلمانوں کی نظریاتی اور فکری اساس کو کمزور کرنا تھا۔ مغربی دانشوری نے علم و تحقیق کی دلکش اصطلاحوں کی آڑ میں دجل و فریب کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ سیاسی اور عسکری محاذ پر شکست کھانے کے بعد اب مسلمان بالخصوص ان کی نئی نسل جو مغربی نظامِ تعلیم کی پروردہ تھی، بری طرح اس فکری یلغار کی زد میں تھی اور اس سے ان کی حفاظت ایک مذہبی اور ملی فریضہ کا درجہ حاصل کرچکی تھی۔ لیکن اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے اس سے بھرپور واقفیت حاصل کرنا ضروری تھی۔ کارکنانِ قضا و قدر نے اس عظیم الشان ملی فریضہ کی ادائگی کی سعادت مولانا فراہی کے لیے مقدر کردی تھی۔

چنانچہ اسلامی علوم میں بہرۂ کامل حاصل کرنے کے بعد وہ جدید تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کی زندگی کا یہ مرحلہ اگرچہ ۱۸۸۵ء سے ۱۸۹۵ء تک ۱۰ سال پر محیط ہے لیکن اس سلسلہ میں بنیادی اہمیت ۱۸۹۱ء سے ۱۸۹۵ء تک کے عرصہ کو حاصل ہے جب وہ اس مقصد سے علی گڑھ میں مقیم تھے۔ یہ زمانہ ان کی زندگی میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ وہ جب وہاں پہونچے تو علمی اور ذہنی حیثیت سے اس سطح پر پہونچ چکے تھے جہاں مغربی علوم اور تہذیب کے منفی اثرات سے انہیں کوئی اندیشہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ان دنوں کا علی گڑھ ایک ابھرتی ہوئی تحریک کا مرکز ہونے کے ناطے زندگی کے ولولوں اور سرگرمی کی آماجگاہ تھا۔ ملک کے طول و عرض سے باصلاحیت اور حوصلہ مند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوجوان علی گڑھ کا رخ کر رہے تھے۔ ہر کوئی کچھ بن جانے، کچھ پا لینے، کچھ کر لینے کی دھن میں سرگرداں، ہر شخص شہید آرزو، ہر فرد قتیل جستجو۔ ان دلوں کا علی گڑھ ایک خوابوں کا شہر نظر آتا ہے جہاں ناممکن بھی ممکن نظر آتا ہے۔ اس بزم علم و دانش کا تصور کیجیے جہاں صدر نشین خود سرسید ہوں، ان کے دائیں ہندوستانی مسلمانوں کے معلم اول شبلی متمکن ہوں اور بائیں مغربی عقلیت کی بہترین روایات کے پاسدار و ترجمان، فلسفی اور محقق پروفیسر آرنلڈ اور پھر اصحاب علم و اہل دانش قطار اندر قطار۔ کیسا علم پرور اور ذہن و دماغ کو جلا بخشنے والا ماحول رہا ہوگا۔ ایسا ماحول اگر فراہی کے مرتبہ کے طالب علم کو میسر آئے، جن کی علمی استعداد اور مشرقی علوم میں مہارت کا اعتراف خود سرسید کو تھا چنانچہ ان کو نہ صرف عربی اور فارسی کے مضامین سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا بلکہ کالج کے نصاب کے لیے دو کتابیں ان سے فارسی میں ترجمہ کروائیں، تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ جن مقاصد کے لیے علی گڑھ آئے تھے ان کے حصول میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہوں گے۔

چنانچہ مولانا فراہی کے علمی و ذہنی سفر میں علی گڑھ کو ایک اہم پڑاؤ کی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں وہ نہ صرف عصری علوم سے آشنا ہوئے بلکہ عصری اسلوب و مزاج اور عصری انداز تحقیق و ترسیل سے پوری واقفیت بہم پہونچائی۔ یہیں انگریزی زبان پر عبور حاصل کیا اور فلسفہ جدید کے ذوق آشنا ہوئے اور یہیں اپنے بعد کے قیام میں انھوں نے عبرانی زبان سیکھی اور یہ سب کچھ اس وقت اور اس زمانہ میں جب دینی حلقوں میں یہ چیزیں شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان عناصر کو مولانا فراہی کی شخصیت کی تشکیل میں جو اہمیت حاصل ہے اس سے اہل نظر بخوبی واقف ہیں اور جس عظیم الشان علمی، فکری اور اصلاحی تحریک کو برپا کرنے کی سعادت ان کے لیے مقدر ہو چکی تھی اس کے لیے ضروری ساز و سامان کی فراہمی کے سلسلہ میں علی گڑھ کا جو کلیدی کردار رہا ہے وہ بھی اہل علم سے مخفی نہیں۔ مولانا کی شخصیت اور افکار پر علی گڑھ کے اثرات کا ابھی تک کوئی باقاعدہ جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ بہرحال یہ امر واقعہ ہے کہ قدیم و جدید کا جیسا مجمع البحرین ان کی ذات والاصفات میں نظر آتا ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ علی گڑھ کے طلبہ نے علوم جدیدہ کے علاوہ اسلامیات کے مختلف موضوعات پر بھی بہت اہم اور قابل قدر اکتسابات کیے ہیں اور برصغیر کے مسلمانوں کی علمی و فکری نشو و نما میں ان کا بڑا اہم حصہ رہا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ابھی تک علی گڑھ کے کسی طالب علم کو خالص دینی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علوم میں مولانا فراہی کی طرح امامت کا درجہ نصیب نہیں ہوا۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے شغف اور اس میں تدبر و تفکر کی ابتدا ربھی علی گڑھ کے زمانۂ طالب علمی میں ہوئی اور پھر یہی مقصد زندگی بن گیا۔ عمر عزیز کے اگلے چالیس سال ان کی ساری دلچسپیوں اور کاوشوں کا مرکز و محور یہی کتاب الٰہی تھی۔ اس کے معارف و حِکَم تک رسائی کی کوشش اور اس کے معانی و مفاہیم میں تدبر و تفکر ہی ان کا وظیفہ حیات بن گیا۔ قرآن مجید سے اس والہانہ وابستگی و شیفتگی اور اس پر مسلسل غور و فکر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل خاص سے نوازا اور ان کے لیے فہم قرآن کی راہ آسان کردی اور انہیں یہ توفیق بخشی کہ وہ ان اصول و مبادی کی بازیافت اور تنقیح و تنظیم کرسکیں جو کتاب اللہ کے فہم کے لیے کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس نظام فکر میں اساسی اہمیت ان کے تصور نظم قرآن کو حاصل تھی۔ مولانا فراہی سے پہلے بھی متعدد علماء ایسے گذرے ہیں جو علم مناسبت یا نظم کے قائل رہے ہیں اور اس موضوع پر انہوں نے بہت کچھ قابل قدر کام کیا ہے خود مولانا نے "مقدمہ نظام القرآن" میں ان علماء محققین کی خدمات کا واضح طور پر اعتراف کیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ مولانا فراہی سے پہلے کسی نے نظم قرآن کا اتنا جامع اور وسیع تصور پیش نہیں کیا۔ یہ شرف بارگاہ رب العزت سے ان کے لیے مخصوص کردیا گیا تھا کہ وہ نہ صرف اس انقلاب آفریں تصور کو پیش کریں بلکہ عملی طور پر اسے برتنے اور اس طرح قرآن مجید پر تدبر کرنے والوں کے لیے ایک نمونہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰہِ يُؤْتِيہِ مَن يَّشَاءُ۔

مولانا فراہی سے پہلے کسی نے قرآن مجید کو اس طور پر ایک منظم کتاب کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جس کی ہر آیت اپنے ماقبل و مابعد سے مربوط اور تمام سورتیں ایک دوسرے سے مکمل طور پر مرتبط ہوں۔ دوسرے قائلین نظم کی طرح مولانا فراہی صرف "مناسبت" کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک نظم کا مفہوم نہایت وسیع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی ہیئت، ترکیب، معنی و مواد اور موضوع کے لحاظ سے ایک منظم کلام ہے۔ اس حقیقت کو جہاں انہوں نے نہایت قوی عقلی و نقلی دلائل و براہین سے ثابت کیا وہیں متعدد سورتوں کی تفسیر میں عملی طور پر بھی اس نظریہ کو برتا اور ہر سورہ کا ایک مرکزی مضمون (عمود) متعین کرکے اس کے تحت آیتوں کا باہمی ربط و اتصال اس طرح واضح کرتے ہیں اور تمام آیتوں کو باہم اس طرح جڑا ہوا اور منظم دکھاتے ہیں کہ ایک آیت کو بھی بیچ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکال دیا جائے تو پوری سورہ کا نظم درہم برہم ہوجائے۔ اسی طرح انہوں نے قرآن مجید کی مختلف سورتوں کے ربط کی نشاندہی کی۔ اس طرح ان کی تحقیقات نے یہ ثابت کردیا کہ "نظم کلام کلام کا ایک جزہوا کرتا ہے اور اگر اس کو چھوڑ دیجئے تو کلام کے معنی و مفہوم کا ایک حصہ غائب ہوجائے گا۔ ترکیب میں ایک زائد حقیقت ہوتی ہے جو ایک چیز کے متفرق اجزا میں الگ الگ نہیں ہوا کرتی ۔۔۔ اس سبب سے اگر کوئی شخص فہم نظام سے محروم رہ جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خود کلام کی ایک بڑی حقیقت اس کی نگاہوں سے اوجھل رہ گئی"۔

چنانچہ مولانا فراہی کے نزدیک قرآن کے صحیح فہم کی کلید نظم قرآن میں پوشیدہ ہے اور اس کے بغیر اس کے معارف و حِکَم تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ اس کی طرف سے بے اعتنائی نے ایک طرف تو تفسیر و تاویل میں غیر معمولی اختلافات کو جنم دیا کیوں کہ "تاویل کا بیشتر اختلاف نتیجہ ہے اس بات کا کہ لوگوں نے آیات کے اندر نظم کا لحاظ نہیں رکھا۔ اگر نظم کلام ظاہر ہوتا اور سورہ کا عمود یعنی مرکزی مضمون واضح طور پر سب کے سامنے ہوتا تو تاویل میں کسی طرح کا اختلاف نہ ہوتا اور سب ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہوتے اور سب کے منھ سے ایک ہی صدا بلند ہوتی"۔ دوسری طرف اسی راہ سے امت کے اندر باہمی اختلاف وافتراق اور عداوت و منافرت کے اسباب پیدا ہوئے۔ "ممکن ہے یہ عداوت و بغض جس کی وبا آج مسلمانوں میں پھوٹ پڑی ہے اسی بات کا نتیجہ ہو کہ ہم نے نظم قرآن کو نظر انداز کر کے خود قرآن کے ایک حصہ کو نظر انداز کردیا ہے"۔ ان سب الجھنوں سے نجات کی صورت صرف یہ ہے کہ نظم قرآن کے سررشتہ کو مضبوطی سے تھام لیا جائے۔

مولانا فراہی نے تاریخ اسلام کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب و عوامل کا بڑی باریک بینی سے تجزیہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ قرآن سے گہرے شغف اور اس پر مسلسل تدبر و تفکر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خصوصی بصیرت سے نوازا تھا۔ اس مطالعہ و تجزیہ اور قرآنی بصیرت کی روشنی میں وہ اس نتیجہ تک پہونچے کہ امت مسلمہ کو ذلت و نکبت کے گرداب سے نکالنے کی صرف ایک سبیل تھی اور وہ سبیل یہ تھی کہ امت پھر اپنی اصل کی طرف لوٹے اور اپنے تمام معاملات کی تنظیم قرآن و سنت کی بے آمیز تعلیمات کے مطابق اور ان کی روشنی میں کرے۔ اس سلسلہ میں کسی مصلحت کوشی، معذرت خواہی یا مصالحت آمیزی کی گنجائش نہیں تھی۔ اس مقصد کے حصول کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے انہوں نے ایک عظیم الشان فکری، علمی اور اصلاحی تحریک کا منصوبہ بنایا۔ ان کے پیش نظر ایک ہمہ گیر اور وسیع نقشہ کار تھا۔ یہ صرف ایک علمی و تحقیقی منصوبہ نہیں تھا بلکہ اصلاح امت کی ایک انقلاب آفریں کوشش تھی۔ بنیادی طور پر یہ تحریک تین اجزاء ترکیبی سے مرکب تھی اور تینوں اجزا اپنی اپنی جگہ پر غیر معمولی اہمیت کے حامل تھے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا اور سب سے اہم کام جو مولانا کے پیش نظر تھا وہ یہ تھا کہ ان اصول و مبادی کے مطابق جن کی تنقیح و تنظیم کی سعادت ان کو حاصل ہوئی، قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی جائے اس لیے کہ مسلمانوں کی جملہ خرابیوں کی بنیاد قرآن مجید سے دوری اور اس سے تعلق میں کمزوری تھی۔ اس بنیادی فساد کی اصلاح کے لیے ضروری تھا کہ قرآن مجید کے صحیح فہم تک ان کی رہنمائی کی جائے اور اس راہ کی مشکلات کو آسان کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس تفسیری منصوبہ میں بنیادی اہمیت ان کے تصور نظم قرآن کو حاصل تھی جس کے بغیر ان کے خیال کے مطابق قرآن مجید کے صحیح فہم تک رسائی ممکن نہ تھی۔ اگرچہ ان کو اتنی مہلت تو نہ ملی کہ اس نہج اور انداز پر قرآن مجید کی پوری تفسیر لکھ سکتے۔ البتہ کچھ سورتوں کی تفسیر لکھ کر انہوں نے نہایت کامیابی سے اس تفسیری منہج کا عملی نمونہ پیش کر دیا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید پر ان کے حواشی اور اس موضوع پر ان کی جستہ جستہ تحریریں اس طریق تفسیر کی معنویت، افادیت اور اہمیت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں اور اب "تدبر قرآن" کی اشاعت کے بعد مولانا فراہی کے تفسیری اصولوں خصوصاً ان کے تصور نظم قرآن کا ایک نہایت دلآویز مرقع علمی دنیا کے سامنے آگیا ہے۔

اس علمی اور اصلاحی تحریک کا دوسرا جزء ترکیبی علوم کی تطہیر اور تشکیل جدید تھی۔ ان کی ایمانی بصیرت نے یہ راز پالیا تھا کہ امت کے اخلاقی زوال اور فکری انحطاط و اضمحلال کی بہت بڑی وجہ وہ غیر اسلامی فکری اور تہذیبی عناصر تھے جو مختلف ادوار میں غیر محسوس طور پر مسلمانوں کے فکری دھاروں میں شامل ہو گئے تھے۔ ملت کو درپیش متعدد اہم نظریاتی مسائل کی بہت کچھ ذمہ داری فکر اسلامی میں نفوذ کر جانے والے انہیں غیر اسلامی عناصر پر عائد ہوتی تھی۔ یہ سلسلہ ایک زمانے سے جاری تھا اور یہ غیر اسلامی عناصر فکر اسلامی کے مختلف دھاروں میں اس طرح رچ بس گئے تھے کہ ان کی شناخت نہایت مشکل تھی اور یہ جسد ملی کے لیے سخت مضرت کے باعث تھے۔ ان سے نجات حاصل کیے بغیر اصلاح احوال کی کوئی مستقل اور پائدار صورت ممکن نہیں تھی۔ اس مقصد کے حصول کی صرف یہی صورت ہو سکتی تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ فکر اسلامی کو پھر سے صحیح بنیادوں پر تشکیل دیا جائے اور اسے بے آمیز قرآنی تعلیمات کی اساس پر از سر نو استوار کیا جائے۔ یہ بجائے خود بہت بڑا منصوبہ تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے لیے ایک نہیں متعدد اکیڈمیوں کی ضرورت تھی اور ساتھ ہی ساتھ غیر معمولی وسائل کی بھی۔ اس وسیع الاطراف منصوبہ کی تکمیل کی مہلت تو انہیں نہیں ملی پھر بھی اس سلسلہ میں بہت کچھ بنیادی نوعیت کا کام انہوں نے پورا کر لیا تھا جس سے اس عظیم الشان منصوبہ کے خدوخال واضح طور پر سامنے آگئے تھے۔ جمہرۃ البلاغۃ، مفردات القرآن، فی ملکوت اللہ اور القائد الی عیون العقائد نیز اس نوع کی بعض دوسری کتابیں جو منظر عام پر آچکی ہیں اس جہت میں نہایت اہم پیش رفت کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کے محتویات و مباحث سے اس منصوبہ کی نوعیت اور علوم اسلامی کی تشکیل جدید کے تناظر میں ان کی غیر معمولی اہمیت کا کسی حد تک اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نوعیت کے بے شمار موضوعات پر انہوں نے ناتمام مسودات یادگار چھوڑے ہیں جن سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں کتنا وسیع منصوبہ ان کے پیش نظر تھا اور اصلاح امت کے سلسلہ میں ان کے نزدیک اس کام کو کس قدر اساسی اہمیت حاصل تھی۔ آج دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں میں علوم کی اسلامی بنیادوں پر تطہیر اور تشکیل جدید (Islamization of Knowledge) کی جہت میں جو زبردست کوششیں ہو رہی ہیں اس کی ناگزیر ضرورت کا احساس مولانا نے تقریباً ایک صدی پہلے کر لیا تھا۔ بلاشبہ دور حاضر میں وہ پہلے شخص تھے جس نے اس جہت سے اور اس سطح پر مسلم معاشرہ کو غیر اسلامی فکری تسلط سے نجات دلانے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور اس باب میں اساسی اہمیت کا بہت کچھ کام بھی پورا کر لیا تھا۔ یہ ان کی بصیرت اور بالغ نظری کی واضح دلیل ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس باب میں مولانا کی تحقیقات کی صحیح قدر و قیمت کا تعین کیا جائے اور اس ادھورے کام کی تکمیل کی طرف توجہ دی جائے۔

اس انقلابی تحریک کا تیسرا اور آخری جزء نظام تعلیم کی اصلاح اور اس کو نئے خطوط پر استوار کرنا تھا۔ یہاں بھی بنیادی کوشش یہ تھی کہ دینی تعلیم کا نظام و نصاب اس طرح وضع کیا جائے کہ اصل اپنی جگہ پر قائم رہے اور فرع اس کی جگہ نہ لے لے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اس مجوزہ تعلیمی پالیسی میں قرآن مجید کو اصل کا مقام دیا جائے اور دوسرے تمام علوم اسی آفتاب عالم تاب کے گرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گھو میں۔ مدرسۃ الاصلاح کی خوش بختی تھی کہ مولانا نے اپنے اس تخیل کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اسے منتخب کیا۔ مدرسہ ۱۹۰۸ء میں ایک اصلاحی تحریک انجمن اصلاح المسلمین کے زیر اثر وجود میں آیا تھا۔ یہ انجمن ۱۹۰۶ء میں اس دیار کے مسلمانوں کی دینی اور معاشرتی اصلاح کے لیے قائم کی گئی تھی۔ مولانا کا اس مدرسے سے بالکل ابتدا ہی سے تعلق تھا۔ پھر ۱۹۱۶ء میں وہ اس کے ناظم مقرر ہوئے اور چند سال تک یہ ذمہ داری حیدرآباد رہتے ہوئے انجام دیتے رہے اور بالآخر ۱۹۱۹ء وہاں سے سبکدوش ہو کر اور ہر طرف سے یکسو ہو کر اس ابدی خدمت میں مشغول ہو گئے اور ۱۹۳۴ء میں اپنے انتقال تک اسی گوشۂ فقر میں گوشہ نشین رہے۔ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک بحیثیت ناظم اس کی خدمت کی۔ اس کے اغراض و مقاصد کا مکمل خاکہ تیار کیا، اس کے لیے نصاب تعلیم تجویز کیا، یہاں کے اساتذہ کی ایک جماعت کو اپنی نگرانی میں مختلف علوم و فنون کی تدریس کے لیے تیار کیا، قرآن مجید کو پڑھنے اور اس پر غور و فکر کے طریقے سکھائے۔ اس طرح عمر عزیز کے آخری دس سال سے زیادہ کا عرصہ انھوں نے اس مدرسہ کی تعمیر و ترقی اور اس کو اپنے خاص تعلیمی نقطۂ نظر کے مطابق ڈھالنے میں صرف کیا۔ اس طرح یہ مدرسہ ان کے تعلیمی تخیل کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ چنانچہ ان کی تعلیمی پالیسی کے خد و خال کو متعین کرنے کے لیے اس مدرسہ کے نظام تعلیم و تربیت کا مطالعہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ مدرسہ اصلاحِ نصاب کی اس تحریک کا نقطۂ آغاز بھی ہے اور اس کا عملی مظہر بھی۔

اس مدرسہ کے نظام تعلیم و تربیت کے متعلق جو اصول و مقاصد ان کے پیشِ نظر تھے ان کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ آپ اندازہ فرما سکیں کہ وہ کس نہج پر اس کو پروان چڑھانا چاہتے تھے۔ ان کے تخیل کے مطابق اس مدرسہ کا نظام تعلیم اس طرح استوار ہونا تھا کہ اس کا بنیادی مقصد قرآن مجید کی محققانہ تعلیم ہو۔ اس کے بعد حدیث اور فقہ پر زور دیا جائے۔ منطق، فلسفہ اور علم کلام کی غیر ضروری کتابیں نصاب سے نکال دی جائیں اور ان کی جگہ ادب عربی کی تعلیم دی جائے۔ مطمح نظر اصل علم و قابلیت ہو نہ کہ کوئی محدود نصاب کتب سوائے قرآن مجید اور متون حدیث کے۔ حدیث کی تعلیم جماعتی عصبیت سے پاک ہو۔ فقہ میں فقہ اسلامی پڑھائی جائے تاکہ طلبہ میں وسعتِ نظر اور رواداری پیدا ہو اور ان کے اندر تکفیر و تفسیق اور فضول مذہبی منافقتات کا کوئی ولولہ نہ ابھرے۔ صرف و نحو کی تعلیم عملی ہو۔ فنون کی تعلیم میں امہات فن پیش نظر رہیں اور فن کے ساتھ اصول فن کو بھی اہمیت دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے۔ درس دینے میں لیکچرز کا طریقہ استعمال کیا جائے۔ بقدر ضرورت انگریزی بھی پڑھائی جائے۔ حالات اجازت دیں تو حصول معاش کے لیے مفید صنعتیں بھی ضرور سکھائی جائیں۔ مدت تعلیم کم سے کم ہو اور نرخ تعلیم انتہائی حد تک ارزاں۔ یہ مدرسہ اہل سنت والجماعت کے مختلف مذاہب کا سنگم ہو۔ یہاں حنفی اور اہل حدیث دونوں رہیں۔ ندوی اور دیوبندی سب تعلیم دیں۔ جزئیات کے اختلاف کے باوجود سلف کے طریقہ پر شیر وشکر ہو کر رہیں اور مسلمانوں کے فضول باہمی اختلاف کو مٹا دیں۔ اس مدرسہ کو صرف مسلمانوں کی اعانت سے چلایا جائے اور سرکاری اثر سے دور رکھا جائے اس لیے کہ آزادی اور دینی روح کا تحفظ اس کے لیے اصل الاصول کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سادگی اور قناعت پسندی شروع ہی سے اس مدرسہ کے امتیازی نشان رہے ہیں۔ مسلمانوں کی بنیادی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے یہ موزوں ترین لائحہ عمل تھا جس میں اسلامی روحانیت کے ساتھ ساتھ عصری تقاضوں کی بھی رعایت رکھی گئی تھی۔

مولانا فراہی کے انتقال کو نصف صدی سے زائد کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن یہ مدرسہ ابھی تک اپنی وسعت واستطاعت کی حد تک ان زریں اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے اور اس کی تعلیمی پالیسی ابھی تک انہیں خطوط پر گامزن ہے جو اس کے فکری کولمبس نے اس کے لیے تجویز کی تھیں۔ اپنی تمام تر کمیوں، نارسائیوں اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے باوجود شعوری طور پر اس مدرسہ نے اب تک اس پالیسی سے انحراف نہیں کیا ہے۔ اس مرکز علم و دانش کا فیض جاری ہے اور تشنگان علم اس سرچشمہ فراہی سے برابر اپنی پیاس بجھا رہے اور شاد کام و سرفراز ہو رہے ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مسلمانوں کی دینی، فکری اور علمی نشاۃ ثانیہ کے لیے مولانا فراہی نے کتنی عظیم الشان اور کثیر الاطراف انقلابی تحریک کا منصوبہ تیار کیا تھا اور اس سلسلہ میں بہت کچھ بنیادی اہمیت کا کام مکمل بھی کر لیا تھا۔ بدقسمتی سے یہ تحریک اپنی پوری قوت اور جملہ امکانات و مضمرات کے ساتھ ہنوز روبہ عمل نہیں آسکی ہے تاہم اس میں بھی کوئی شبہ نہیں گذشتہ نصف صدی میں بالخصوص برصغیر میں برپا ہونے والی علمی اور فکری اسلامی تحریکوں پر اس کے بڑے دوررس اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ چنانچہ اب جب کہ مولانا فراہی کو اس دنیا سے رخصت ہوئے ساٹھ سال سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوپر کا عرصہ گذر چکا ہے شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ سنجیدگی سے اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ اس طویل عرصہ میں یہ فکر کن مراحل سے گذرا، مسلمانوں کے علمی و فکری دھاروں پر یہ کس حد تک اثر انداز ہوا، اس فکر کے حاملین نے کس حد تک علمی دنیا کو اس سے روشناس کرایا اور اس کے امکانات و مضمرات کس حد تک علمی و تحقیقی سطح پر بحث و نظر کے موضوع بن سکے ہیں؟ اس کے بعد ہی مستقبل کے لیے کوئی مفید اور قابلِ عمل لائحہ عمل تیار کیا جاسکتا ہے۔ یہ سیمینار اسی احساس کا عملی مظہر ہے۔

مجلس مذاکرہ، کانفرنس اور سیمینار کا انعقاد علمی دنیا کی ایک جانی پہچانی روایت ہے اور کسی خاص موضوع پر علمی و تحقیقی کاوشوں کو متحد، موثر اور فعال بنانے اور اسے کسی مخصوص جہت میں آگے بڑھانے کا ایک بہترین ذریعہ۔ آج کی دنیا میں جہاں گوناگوں مصروفیات، فکری و ذہنی پیچیدگیاں اور الجھاوے اور زندگی کے نہایت تیزی سے بدلتے ہوئے نوع بہ نوع تقاضے اس بات کی مہلت کم ہی دیتے ہیں کہ انسان اپنی بنیادی ترجیحات سے آگے نظر اٹھا کر دیکھ بھی سکے وہاں ایسی مجالس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے جہاں ارباب فکر و دانش جمع ہو سکیں اور کشاکش حیات سے کنارہ کش ہو کر چند دن کسی ایک مخصوص موضوع پر غور و فکر کرنے، مختلف جہات سے اس کا جائزہ لینے اور مختلف زاویوں سے اس کی جانچ پڑتال کرنے، اپنی سنانے اور دوسروں کی سننے کے لیے مل بیٹھیں۔ اگر یہ کاوش یکسوئی اور دل جمعی سے کی جائے تو اس کے بڑے قابلِ قدر اور مفید نتائج نکلتے ہیں۔ کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ موضوع زیر بحث پر نئے نئے انداز سے روشنی ڈالی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں بحث و نظر کی نئی نئی راہیں نکلتی ہیں۔ بہت سے مسائل کے حل دریافت ہوتے ہیں اور بہت سی گتھیوں کی عقدہ کشائی کی راہ باز ہوتی ہے فکر و نظر کو جلا اور ذہن و دماغ کو بالیدگی ملتی۔ علم و فن کے نئے نئے افق سامنے آتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ذہنی کشادگی اور بہرہ مندی کا احساس ہوتا ہے۔

لیکن ان مجالس سے صحیح طور پر استفادہ کے لیے یہ بات یاد رکھنی چاہئیے کہ ہر آدمی کی اپنی ایک شخصیت، انفرادیت اور ذہنی ساخت ہوتی ہے اور ہر صاحب فکر انسان مختلف مسائل کے بارے میں اپنا ایک مخصوص زاویہ نگاہ اور نقطہ نظر رکھتا ہے۔ اس مخصوص زاویہ نگاہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارتقاء میں مختلف عوامل کی کارفرمائی ہوتی ہے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ یہ ایک فطری عمل ہے اور اس سے صرف نظر کرنا نہ تو مناسب ہے اور نہ ممکن۔ چنانچہ دانش وروں کے درمیان اختلاف رائے ایک ناگزیر امر ہے اور یہ قطعی ممکن نہیں کہ سب لوگ ایک ہی انداز میں سوچیں، ایک ہی طرح کے نتائج تک پہونچیں اور مختلف صورت احوال میں ایک ہی طرح کے ردِ عمل کا اظہار کریں۔ اس عالم رنگ و بو کی زیبائی و رعنائی کا راز یک رنگی میں نہیں بلکہ رنگوں کی کثرت اور فراوانی میں مضمر ہے۔ اس لیے فکر و نظر اور زاویہ نگاہ کے اختلاف سے گھبرانے اور ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مناسب حدود میں رہتے ہوئے یہ بہت مفید اور قابل قدر عمل ہے اور اس سے جہان معنی کے نئے نئے افق سامنے آتے ہیں اور فکری و ذہنی توانائی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ جو معاشرہ اختلاف ار کو برداشت کرنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے اس کی سوچ کے سوتے خشک اور اس کے فکری قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ علم کے فروغ کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر فرد کو اس بات کا موقع ہونا چاہیے کہ وہ اپنے نقطۂ نظر اور غور و فکر کے نتائج کو پوری آزادی سے دوسروں کے سامنے پیش کر سکے۔ کشادہ دلی اور کشادہ جبینی سے دوسروں کی سننا اور اپنی سنانا ہی ان مجالس کی جان ہوتی ہے اور اُن کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہونے والا مباحثہ ہی ان کی روح کا درجہ رکھتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اپنا نقطہ نظر خالص علمی انداز میں پیش کیا جائے، تنقید مثبت، صحت مندانہ، متوازن اور متین ہو، تحقیق و تفتیش کو دلائل و براہین کی پختہ اساس پر قائم کیا جائے اور اس سلسلہ میں کسی طرح کے تعصب اور تنگ نظری کو راہ نہ دی جائے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ فراہی سیمینار ان اعلیٰ علمی اور تحقیقی اقدار کا بہترین نمونہ فراہم کرے گا اور اس کے نتیجہ میں ہمارے مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان مفاہمت، یکجہتی اور ہم آہنگی کی ایک نئی فضا ہموار ہوگی۔ آمین

آخر میں ایک بار پھر تمام شرکاء کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ کی تشریف آوری ہمارے لیے باعثِ سرفرازی ہے اور ہم اس کے لیے صمیم قلب سے آپ کے شکر گذار ہیں۔ ہماری یہ انتہائی خواہش اور کوشش ہوگی کہ یہاں آپ کا قیام خوش گوار اور آرام دہ رہے لیکن اپنے محدود وسائل اور دستیاب سہولیات کے پیشِ نظر ہمیں اس بات کا بڑی شدت سے احساس ہے کہ ہمارے انتظامات آپ کے [illegible] کے لیے ہم آپ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عفو و درگذر کے ملتجی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری کم مائگی کو ذوق مہمان نوازی کے فقدان پر محمول نہ فرمائیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ آپ کا یہاں قیام اور آپ کی فکری کاوشیں ہمارے آپ سب کے لیے برکت و سعادت کی باعث ہوں۔ آمین

مولانا حمید الدین فراہیؒ کی شہرہ آفاق تفسیر

تفسیر نظام القرآن

کے

تمام تفسیری اجزاء کا مجموعہ اب ہندوستان میں بھی دستیاب

قرآنیات کے طلبہ اور شائقین کے لیے بیش بہا تحفہ

بہترین کاغذ طباعت، صفحات ۵۳۶، ہدیہ ۱۰۰ روپے

مولانا فراہیؒ کی نایاب کتابیں اب پھر دستیاب

رسائل الامام الفراهي في علوم القرآن

مولانا فراہیؒ کی تین معرکۃ الآراء تصانیف

۱۔ دلائل النظام

۲۔ التکمیل فی اصول التاویل

۳۔ اسالیب القرآن

صفحات ۲۸۰ کا مجموعہ قیمت ۶۵/ روپے

ملنے کے پتے: • ادارہ علوم القرآن، پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سرسید نگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

• دائرہ حمیدیہ، [illegible] اعظم گڑھ (یوپی)

© rasailojaraid.com